برونائی

غیر ملکی مشنریوں کو ملک چھوڑ دینے کا حکم

برونائی کا رقبہ تقریباً ۲۲۲۶،۲ مربع میل ہے۔ جزیرہ بورنیو کی تیل کی دولت سے مالا مال یہ سلطنت ہمیشہ سے سخت مسلمان چلی آ رہی ہے۔ ۳۷۲،۰۰۰ کی کل آبادی میں سے ۶۳ فیصد لوگ ملائی۔ مسلم ہیں۔ باقی آبادی چینی لوگوں، عیسائیوں، بدھ مت کے پیروکاروں اور قبائلی افراد پر مشتمل ہے۔ ۱۹۶۳ء میں اس نے ملائیشیا کے ساتھ شامل نہ ہونے کا فیصلہ کیا۔

۱۴۲۵ء میں برونائی کا ہندو حکمران، اوانگ الک بیتاتر، ملاکا کے سلطان محمد شاہ سے ملاقات کے بعد مسلمان ہو گیا تھا۔ بعد میں عرب علماء کو تبلیغ اسلام کا کام سونپا گیا جن کی کوششوں سے آبادی کی اکثریت نے اسلام قبول کر لیا۔ ان دنوں برونائی میں اسلام سرکاری مذہب ہے البتہ دستور میں دوسرے مذاہب پر آزادانہ عمل درآمد کی ضمانت دی گئی ہے۔

رومن کیتھولک چرچ ملک کا مضبوط ترین مسیحی فرقہ ہے۔ غیر کیتھولک چرچ میں انگلیکن سب سے زیادہ مضبوط ہیں۔ "ملائی۔ مسلم بادشاہت" کی طرف سے جاری ہونے والے ایک نئے سرکاری فرمان میں غیر ملکی مشنریوں پر پابندیاں لگا دی گئی ہیں اور بہت سے کیتھولک پادریوں اور راہبات کو ملک چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا ہے۔

پاکستان

نعمت احمر کا قتل

فیصل آباد کے مسیحی ٹیچر نعمت احمر کو ایک طالب علم فاروق احمد نے مبینہ طور پر اس بنیاد پر قتل کر دیا تھا کہ مقتول شاتمِ رسولؐ تھے۔ اس واقعے پر جو متضاد ردعمل سامنے آئے۔ ان کا ذکر "عالم اسلام اور عیسائیت" کے گذشتہ شمارے میں کیا جا چکا ہے۔ قومی اور بالخصوص مسیحی پریس میں نعمت احمر اور ان کے قتل پر لکھا جا رہا ہے۔ سابق رکن قومی اسمبلی جارج کلیمنٹ، بشپ آف فیصل آباد ڈاکٹر

جوزف اور اقلیتی امور کے وزیر مملکت نے ایک مشترکہ پریس کانفرنس میں نعمت احمر کے قتل کو "کشمیر میں جاری تحریکِ حریت اور وہاں پر ہونے والے مظالم سے توجہ ہٹانے" کا منصوبہ قرار دیا تاکہ "مسیحی دنیا میں یہ تاثر دیا جائے کہ ہندوستان میں ہی نہیں، پاکستان میں بھی اقلیتیں غیر محفوظ ہیں۔" انہوں نے مطالبہ کیا کہ قتل کے اصل محرکات کو سامنے لانے کے لیے اس مقدمۂ قتل کی تفتیش مقامی پولیس کی بجائے کسی اعلیٰ ایجنسی سے کرائی جائے اور کسی کو اس قتل سے مذہبی یا جذباتی فائدہ اٹھانے کا موقع نہ دیا جائے۔ انہوں نے "مسلمان اور مسیحی بھائیوں سے اپیل کی کہ وہ قتل کے اصل حقائق سامنے آنے پر راضی رہیں" (روزنامہ مساوات، لاہور۔ ۱۰ جنوری ۱۹۹۲ء)

کیتھولک بشپ آف لاہور جناب الیگزینڈر جان ملک نے کہا کہ نعمت احمر کے مبیّنہ قاتل کو کسی قسم کی چھوٹ دیے بغیر انصاف کے تقاضے پورے کرتے ہوئے سزائے موت دی جائے۔ انہوں نے مزید کہا کہ جب ناموسِ رسالت کے تحفظ کے لیے قانون بنایا جا رہا تھا تو اقلیتوں نے اپنے خدشات کا اظہار کیا تھا کہ یہ قانون غلط طور پر استعمال ہوگا مگر کسی نے بات نہ سنی۔ نعمت احمر کے قتل نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اقلیتوں کے خدشات درست تھے۔ بشپ آف لاہور نے مزید کہا کہ "بہت سے مسیحی ملک چھوڑ کر جا چکے ہیں کیوں کہ وہ عدم تحفظ کا شکار ہیں اور یہ ملک کی سلامتی اور یک جہتی کے لحاظ سے اچھی صورت حال نہیں۔" (روزنامہ ڈان، کراچی۔ ۲۰ جنوری ۱۹۹۲ء)

نیشنل کرسچن لیگ کے رہنماؤں نے بشپ آف لاہور کے بیان کے آخری حصے پر تبصرہ کرتے ہوئے انہیں مشورہ دیا کہ "وہ بے بنیاد اور گمراہ کن پروپیگنڈہ سے مسیحی عوام میں خوف و ہراس نہ پھیلائیں اور مسیحیوں کی بدنامی کا باعث نہ بنیں۔ وہ ان مسیحیوں کی فہرست پیش کریں جو عدم تحفظ کی بنا پر ملک چھوڑ کر چلے گئے یا جانے والے ہیں، اور وہ کن ممالک میں گئے ہیں۔" نیشنل کرسچن لیگ کے رہنماؤں نے بشپ آف لاہور کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ "چرچ تنظیموں اور اداروں کے منتظمین آپ جیسے گرین کارڈ ہولڈر، مسیحیوں کے نام پر لوٹ مار کرتے رہے اور ناجائز ذرائع کی آمدن غیر ممالک کے بنکوں میں جمع کرواتے رہے اور ملک کو درپیش خطرات کے وقت فرار اختیار کر کے امریکہ، برطانیہ، کینیڈا اور آسٹریلیا وغیرہ میں رہائش پذیر ہوتے رہے ... غریب مسیحی عوام اس ملک کے باشندے ہیں اور ملک کو درپیش خطرے کے وقت بڑی سے بڑی قربانی دیتے رہے ہیں اور دیتے رہیں گے۔" (روزنامہ مساوات لاہور ۲۳ جنوری ۱۹۹۲ء)

وفاقی اقلیتی مشاورتی کونسل کے رکن جناب فیروز کنول کی ادارت میں شائع ہونے والے پندرہ روزہ "شاداب" نے نعمت احمر کے قتل پر حسب ذیل اداریہ شائع کیا ہے۔

"گزشتہ دنوں فیصل آباد کے محکمہ تعلیم کے سینئر ٹیچر اور معروف مسیحی شاعر، ادیب اور

"بسنتی" کے مصنف نعمت احمر کو شاتمِ رسولؐ قرار دے کر ایک قصائی کے بیٹے نے چھریوں کے وار کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس افسوس ناک قتل کی روداد اور کسی حد تک پس منظر کے واقعات بھی مختلف اخبارات اور جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ پولیس نے ملزم کو قتل کے الزام میں مقدمہ درج کر کے گرفتار کر لیا ہے۔ ابھی اس افسوس ناک واقعہ کی صدائے بازگشت کم نہ ہوئی تھی کہ سرگودھا کے دو مسیحی نوجوانوں کو محض ذاتی جھگڑے کی بنیاد پر شاتم رسولؐ قرار دے کر ان کے خلاف بعید از قیاس ایف۔ آئی۔ آر درج کرا دی گئی اور جب ڈپی۔ سی سرگودھا نے انہیں بے خطا قرار دے کر چھوڑنا چاہا تو ان کے خلاف بھی مذہبی حوالے سے جلسے جلوس شروع کر دیے گئے۔ جہاں تک ان واقعات کی صحت اور عدمِ صحت کا تعلق ہے، ہم اس سلسلے میں صرف اتنا کہنا ضروری تصور کرتے ہیں کہ وطنِ عزیز کا کوئی شہری خواہ وہ ان پڑھ اور جاہل ہی کیوں نہ ہو بقائمی ہوش و حواس شاتمِ رسولؐ نہیں ہو سکتا اور خاص طور پر مسیحیوں کی تاریخ گواہ ہے کہ ان میں کوئی شاتمِ رسولؐ نہیں ہوا۔ آج جن نوجوانوں پر یہ الزام عائد کیا جا رہا ہے، اس کے پیچھے یقیناً کوئی اور عوامل و عواقب اور محرکات ہیں کیوں کہ برصغیر اور وطنِ عزیز پاکستان میں مسیحی پہلی صدی عیسوی سے دوسرے اہل مذاہب کے ساتھ رہ رہے ہیں۔ اور کبھی اس قسم کے واقعات تو دورِ جہالت میں بھی نہیں ہوئے۔ اور پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک پڑھا لکھا استاد اور ادیب یہ عاقبت نااندیشانہ حرکت کرے۔ اسی طرح سرگودھا کے دونوں نوجوان تو کیا کوئی بھی ذی شعور رسولِ اکرمؐ کی توہین کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ بہرکیف یہ معاملات کیوں کہ قانونی دائرہ اور عدالت کے پاس ہیں لہٰذا ان کی صحت اور عدمِ صحت پر گفتگو نہیں ہو سکتی، لیکن ہم اس مرحلے پر یہ کہنا ضروری تصور کرتے ہیں کہ شاتمِ رسولؐ کے لیے پاکستان کے آئین کے حوالے سے قانون میں موت کی سزا کا حکم موجود ہے لہٰذا بفرضِ خدانخواستہ نعوذ باللہ اگر کوئی احمق شاتمِ رسولؐ قرار پا ہی جاتا ہے تو پھر یہ عدالت کا کام ہے کہ وہ میرٹ اور قانونی تقاضوں کو ملحوظِ خاطر رکھ کر فیصلہ کرے۔ یہ کسی شخص کو حق نہیں دیا جا سکتا کہ وہ خود ہی کوئی الزام عائد کرے اور خود ہی سزا تجویز کر کے اس پر عمل بھی کرے۔ اس قسم کی صورتِ حال کی حمایت کسی باشعور اور مہذب معاشرے میں نہیں کی جائے گی کیوں کہ پھر یہ جنگل کا قانون بن جائے گا۔ سیدھی سی بات ہے کہ اگر کوئی شخص چوری کرتا ہوا پکڑا جائے تو اس کے ہاتھ کاٹنے کی سزا کا حکم عدالت ہی دے سکتی ہے۔ گھر کے مالک کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ خود چور کے ہاتھ کاٹ کر اسے سزا دے۔ ان معروضات سے ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ جرم کی خواہ کوئی بھی نوعیت ہو سزا کا فیصلہ صرف اور صرف میرٹ اور عدالت کا کام ہے، کسی فردِ واحد یا گروہ کو خواہ وہ کتنا ہی مقدم، معتبر اور مقدس کیوں نہ ہو یہ حق نہیں دیا جا سکتا۔ بصورتِ دیگر ملک میں جنگل کا قانون نافذ ہو جائے گا اور جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے تحت معاشرہ میں شکست و ریخت کا ایک ایسا عمل شروع ہو

جائے گا جس کی کوئی انتہا نہیں ہوگی۔
آخر میں ہم حکومت اور متعلقہ اربابِ حل و عقد سے یہ گذارش کرنا چاہتے ہیں کہ اس افسوس ناک صورتِ حال نے مسیحی عوامی حلقوں میں خوف و ہراس کی صورت حال پیدا کر دی ہے اور عدم تحفظ کا احساس پہلے سے شدید ہو گیا ہے کیوں کہ یوں کوئی بھی سر پھرا کسی بھی اقلیتی فرد کو ذاتی انتقام کا نشانہ بنانے کے لیے اس قسم کے مذہبی الزام لگا کر نہ صرف اسے رسوا اور بدنام بلکہ جان و مال تک سے محروم کر سکتا ہے۔ لہذا اکثریتی حلقوں کے دانشوروں، علمائے کرام اور حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ اس مرحلے پر اپنی ذمہ داری محسوس کریں تاکہ ان افسوس ناک واقعات کا اعادہ اور فروغ نہ ہونے پائے۔ کیوں کہ اسی میں ملک و قوم کی بقاء، استحکام، امن و انصاف اور فلاح و سالمیت ہے۔" (پندرہ روزہ "شاداب"، لاہور۔ ۳۱ جنوری ۱۹۹۲ء)

آسٹریا کے لیے پاکستان کے سفیر

معروف مسیحی دانشور اور رہنما جوشوا فضل الدین (م ۱۹۷۶ء) کا ذکر پاکستان کے لیے جداگانہ طریقِ انتخاب کے حوالے سے ہوتا رہا ہے۔ ان کے فرزند سموئیل ٹامس جوشوا کو آسٹریا میں پاکستان کا سفیر مقرر کیا گیا ہے۔ اطلاعات کے مطابق قیامِ پاکستان سے اب تک وہ تیسرے مسیحی ہیں جنہیں کسی ملک میں پاکستان کا سفیر مقرر کیا گیا ہے۔
سموئیل ٹامس جوشوا فارن سروس میں مختلف ملکوں میں اعلیٰ مناصب پر خدمات سرانجام دے چکے ہیں۔ انھوں نے عملی زندگی کا آغاز سیکرڈ ہارٹ کیتھیڈرل سکول لاہور سے کیا تھا۔

مسیحی خواتین اور تبدیلیٔ مذہب

[حزبِ اختلاف کی نشستوں پر بیٹھنے والے اقلیتی رکن قومی اسمبلی جناب جے۔ سالک کی قیادت میں "متعدد مسیحیوں" نے ۲ فروری ۱۹۹۲ء کو جن مطالبات کے حق میں احتجاجی جلوس نکالا ان میں سے ایک مطالبہ یہ تھا کہ "مسیحی خاتون کے مذہب تبدیل کرنے سے قبل اس کے خاندان اور شوہر کو ایک ماہ قبل نوٹس دیا جائے اور اتنا عرصہ اس خاتون کو دارالامان میں رکھا جائے۔" (روزنامہ "نوائے وقت" ۳ فروری ۱۹۹۲ء)
یہ مطالبہ جس پس منظر میں کیا جا رہا ہے، اس کا کچھ اندازہ پندرہ روزہ "شاداب" (لاہور) میں